© rasailojaraid.com

ڈاکٹر تزئین گل

رشید احمد صدیقی کے خطوط میں طنز و مزاح کے عناصر

رشید احمد صدیقی کے ہاں ہمیں اسلوب و انشاء کے حوالے سے تنوع ملتا ہے۔ وہ بیک وقت انشا پرداز، طنز و مزاح نگار، مرقع نگار اور تنقید نگار ہیں، اور ان سب میں اُن کا اصل میدان طنز و مزاح ہے جہاں ان کے مخصوص طرز کا مد مقابل کوئی نظر نہیں آتا۔ البتہ مقلد کئی قرار دیے جا سکتے ہیں۔

رشید احمد کے طنز و مزاح کے دو مجموعہ ہائے مضامین و تقاریر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ''مضامینِ رشید'' اور ''خنداں'' کے علاوہ بھی ان کے دیگر مزاحیہ مضامین اور ریڈیائی تقاریر وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

رشید احمد اشخاص کی کمزوریوں اور قومی و اجتماعی کجیوں اور خامیوں کو موضوع بناتے ہیں اور ظاہری شگفتگی اور خوش دلی کی آڑ میں ایسی بات ضرور کہہ جاتے ہیں جس کی چبھن اور خلش پڑھنے والا دیر تک محسوس کرتا رہتا ہے۔ ان کے مزاح کو طنز سے علیحدہ کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان کے طنز میں زہرناکی، تلخی اور استہزا بہت کم پائے جاتے ہیں۔ وہ خود کو طنز نگار سے زیادہ مزاح نگار سمجھتے ہیں اپنے ایک مکتوب بنام فکر تونسوی میں لکھتے ہیں:

> ''طبعیت کی افتاد کے اعتبار سے میں طنز کا آدمی نہیں ہوں۔ طنز کے لئے عام طور پر جس جلن اور جس قسم کے جلال یا حس بیزاری اور برہمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مجھ میں اتنی نہیں جتنی ہونی چاہیے، جس کا مجھے افسوس نہیں ہے۔ میں اپنا کام دوسرے طریقہ سے نکال لیتا ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں ایک حس کی کمی فطرت دوسرے حصہ کو زیادہ فعال بنا کر پوری کر دیتی ہے۔ ظلم، بے ہودگی اور تنگ نظری پر جو طنز کے محرکات میں ہیں مجھے غصہ آتا ہے لیکن اس سے زیادہ ہنسی بعض طنز نگاروں کے ظلم، بے ہودگی اور تنگ نظری پر آتی ہے''۔[1]

رشید احمد کے طنز و مزاح کی جو کیفیت ان کے مضامین میں ملتی ہے۔ لگ بھگ وہی صورت حال ان کے ابتدائی خطوط میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ غالب ہی کی مانند خطوط نگاری نہ صرف ان کا مشغلہ تھی بلکہ محفل آرائی کا ایک وسیلہ بھی۔ اگرچہ ان کا حلقہ احباب محدود تھا لیکن یہ حلقہ چند بہترین برجستہ گو اور حاضر جواب دوستوں پر مشتمل تھا۔ ان دوستوں کی جب بھی محفل جمتی تھی اعلیٰ مزاح، ظرافت، لیاقت، ذہانت، حاضر جوابی اور برجستہ گوئی کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا۔ یہاں پر ہر کوئی دوسرے پر بازی و سبقت لے جانے میں مستعد نظر آتا۔ اور رشید احمد ان میں بلبل کی طرح چہکتے دیکھے جاتے۔ پھر وہ جب بھی ان احباب کو خط لکھتے تو اس میں وہی محفل آرائی اور نصف ملاقات کے بجائے مکمل ملاقات کا لطف موجود ہوتا۔ ان کے ایسے دوستوں کے نام زیادہ تر خطوط محفوظ نہ رہ سکے لیکن جو رہ گئے وہ ان کے مخصوص طرز نگارش کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے تین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصیات کے نام خطوط اہم ہیں لیڈی امت المسعود، غلام السیدین اور آل احمد سرور۔ ان تینوں سے رشید احمد خاصے بے تکلف تھے اوران سے ہر طرح کی گفتگو بے تکلفی سے کر جاتے تھے۔

عام طور پر وہ اپنے خطوط کی ابتدا دلچسپ انداز میں کرتے ہیں جس سے مکتوب الیہ پوری طرح ان کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ امت المسعود کے نام غالباً ۱۹۴۲ء میں لکھے گئے ایک خط کی تمہید یوں باندھتے ہیں:

''آپ میرا یہ عریضہ پا کر حقیقتاً متعجب اور اخلاقاً مسرور ہوں گی۔ یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو مجھے یقین آجائے گا کہ آپ کا جی اندور میں لگ گیا ہے۔ پھر میں حقیقتاً اور اخلاقاً مسرور ہوں گا۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۳)

آل احمد سرور کے نام ۱۹ جنوری ۱۹۵۲ کے خط کی ابتدا یوں کرتے ہیں:

''سرور صاحب آپ کے خلاف بشیر صاحب نے سخت پروپیگنڈا کر رکھا ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۳۲)

غلام السیدین کے نام ۲۳ رجون ۱۹۴۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''سنتے ہیں آدمی مرنے لگتا ہے تو اسے اپنے گناہ یاد آتے ہیں۔ آپ بھی انتقال فرماتے وقت مجھے ضرور یاد کرتے ہیں خواہ آسٹریلیا کے راستہ میں ہوائی جہاز میں ہوں یا بمبئی کے راستہ میں میل دیکھتے، میں مرنے لگتا ہوں تو کیا کرتا ہوں۔ گو اس کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کے منہ سے کوئی ایسا ویسا کلمہ نہ نکل جائے۔''

(خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد سوم ص ۹۲)

خط کسی نہ کسی مقصد کے تحت لکھا جاتا ہے اور اس میں غیر ضروری تفصیلات اور بے جا و بلا ضرورت باتوں کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے، لیکن رشید احمد کے چند خطوط ان کے مضامین کا سا لطف لیے ہوئے ہیں۔ وہ بات شروع کہاں سے کرتے ہیں اور ختم کہاں ہوتی ہے۔ بات سے بات پیدا کرنا رشید احمد کا آرٹ ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر اپنے موضوع سے بہک جاتے ہیں۔ ان کے اسی فن کی بدولت قاری ایک آئینے میں دنیا کا تماشا دیکھتا ہے۔ اسی کی بناء پر ان کے ہاں تسلسل کا فقدان پایا جاتا ہے۔ انھیں اپنی اس خامی یا کمزوری کا احساس ہے چنانچہ ''مضامین رشید'' میں لکھتے ہیں:

''میرے مضامین میں جو باتیں غیر متعلق اور بہکی بہکی معلوم ہوتی ہیں وہ میرے فن کی شریعت کے عین مطابق ہیں''۔[۲]

مجنوں گورکھپوری نے رشید احمد صدیقی کے اس فن کو ایتلاقی یعنی Associative اور انحرائی Digressive کہا ہے وہ لکھتے ہیں:

''وہ ایک بات سے دوسری بات پیدا کرتے ہیں اور دوسری ہی بات میں لگ جاتے ہیں۔ اور پہلی بات کو چھوڑ جاتے ہیں یا دیر تک بھلائے رکھتے ہیں یہی ان کا ہنر ہے اور کمزوری بھی''۔[۳]

یہی ''ہنر'' کہہ لیجیے یا ''کمزوری'' ان کے ابتدائی خطوط میں بھی موجود ہے۔ وہ بات شروع کہیں سے کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور ختم کہیں اور کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی یک گونہ تعلق قائم رہتا ہے۔ امت المسعود کے نام لکھے گئے ایک خط میں بات لیڈی کے ''اندور'' منتقل ہونے سے شروع ہوتی ہے اور پھر بیگم کا ذکر آ جاتا ہے وہاں سے لیڈی کے خط کا جواب تاخیر سے دینے کی وجہ بیان کرتے کرتے ان کے بھیجے ہوئے تحائف پر آ جاتے ہیں۔ تحائف سے بات موسم پہ جاتی ہے اور پھر برسات سے ہوتے ہوتے راحت صاحب پر آ جاتے ہیں۔ راحت صاحب سے آگے بڑھتے ہوئے ضیاء الدین پر چوٹ کرتے چلتے ہیں تو راحت صاحب کی گاڑی موضوع سخن بنتی ہے۔ اور آخر میں خط کے لیے استعمال ہونے والے کاغذ پر جاتے ہیں جو ڈیوٹی سوسائٹی کا لیٹر پیڈ ہے اور یہاں ڈیوٹی سوسائٹی کے لیے عطیے کی درخواست کرتے ہوئے اپنے بچوں کا حال بیان کرتے ہیں اور اس دل چسپ اور معنی خیز فقرے پر خط کا اختتام کرتے ہیں کہ ''اس میں جواب طلب کوئی بات نہیں ہے۔ جہاں تہاں حسن طلب ضرور ملے گا۔ اس پر آپ جواب طلب کر سکتی ہیں''۔ اسی خط میں محترمہ کی بھیجی گئی اشیاء کا ذکر اور شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ کے دیے ہوئے تبرکات، الائچی، چکنی ڈلی (بقول غالب) زعفران، (ملقب بہ کشمیر) کشمیری مسالا (جو سیّدین صاحب نے کبھی نہیں بھیجا) سرخ رنگ کی مخملی تھیلی میں موصول ہوئے تھے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ نے یہ ساری چیزیں انتہائی خلوص سے بھیجی تھیں، لیکن اس کو کیا کیجیے گا کہ سوا سرخ تھیلی کے میرے حصے میں کوئی چیز نہیں آئی۔ جب بھی کوئی بڑا آدمی آیا یا دعوت کی گئی، آپ کے تبرکات مصرف میں لائے گئے، اور میں ایک نیاز مند کی حیثیت سے خدمت ہی میں مصروف رہا۔ تھیلی خالی ہوئی تو ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ سب سے چھوٹا بچہ اس کو اپنے سر پر منڈھے رقص کر رہا ہے میں نے کہا۔ بیٹے اسے ادھر لاؤ یہ چیز تمھارے لیے نہیں ہے، اسے میں سر پر رکھوں گا۔ میرا ارادہ ہے کہ اسے سر پر ہی نہیں بلکہ اپنی خواہش اور اردو کا محاورہ پورا کرنے کے لیے آنکھوں پر بھی رکھوں۔ لیکن میری عمر کا آدمی ذرا احتیاط زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اسے ابھی آنکھوں پر نہیں رکھا ہے مبادا اس میں مسالے کا اثر باقی ہو! چنانچہ میں نے اس تھیلی کو فی الحال اپنے کمرہ میں کھونٹی پر آویزاں کر دیا ہے۔''
>
> (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۴۴)

اس ایک اقتباس میں ان کی جزئیات نگاری، اسلوب کی بے ساختگی اور طنز و ظرافت کے ہلکے ہلکے چھینٹے پڑھنے والے کو خندۂ زیر لب پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ان کا ایک خط بنام غلام السیدین بھی ان کی مخصوص ظرافت کا حسن لیے ہوئے ہے جہاں وہ ابتدا ہی سے پڑھنے والے کی توجہ اپنی گرفت میں لے کر بات میں سے بات نکالتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے اس (۹ر اگست) کے خط میں لکھتے ہیں:

> ''آپ کے دو گرامی نامے اس وقت میرے سامنے ہیں۔ ایک ۲۱ر جولائی کا میرے نام اور دوسرا یکم اگست کا سرور صاحب کے نام۔ میرے لیے تو آپ نے بہشت کو دوزخ میں ڈال دیا ہے اور سرور صاحب کو میں نے صرف چہ شد پر اکتفا کی ہے۔ میری شرافت دیکھیے کہ جب آپ نے بہشت دوزخ میں ڈالی ہے اس وقت میں بہشت میں موجود نہ تھا۔ اب ذرا سرور صاحب کی شرافت دیکھیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً مر گئے پر دیکھیے (کھلائیں کیا) کشمیر سے واپس آئے تو ہاتھ پکڑ کر کسی کوئیں میں گر پڑیے اور نہ سرور صاحب کا آئندہ منہ دیکھیے اور نہ آپ کی دعوت کیجیے۔ چناں چہ سرور صاحب کا یہ حال تھا کہ آم، جامن، حاجی صالح خاں، وائس چانسلر، دوسرے کی بیوی جسے دیکھا فوراً طے کر لیا کہ سیدین صاحب کے پاس بھیجوں گا۔ بالآخر طے یہ کیا کہ چونسہ آم بھیجا جائے گا۔ خوب دھو کر، کاغذ میں لپیٹ کر، لکڑی کے بکس میں۔۔۔۔ مجھ سے قرض لے کر! یہاں ایک بات میں واضح کر دینا چاہتا ہوں اور چاہیے بھی کہ روپیہ پیسے کے معاملہ میں وہ ہمیشہ مجھ سے اختلاف کرتے ہیں، اور آپ پوچھیں گے تو وہ یہی کہیں گے اور بہت ممکن ہے فرطِ گریہ یا جوشِ غضب سے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہیں کہ انھوں نے آج تک مجھ سے قرض نہیں لیا۔ یہ بھی نہیں بلکہ وہ یہاں تک کہہ گزریں گے کہ سو پچاس انھیں کے میرے ذمہ نکلتے ہیں۔ اس کا میں برا نہیں مانتا۔ آپ بھی کچھ خیال نہ کریں اس دنیائے فانی میں کیا رکھا ہے، نہ میں قرض ادا کروں گا اور نہ آپ خواہ مخواہ گواہی دیتے پھریں گے تو پھر کیا نتیجہ؟

کچھ دنوں تک تو چونسے کا دور رہا۔ ایک دن چونک کر کہنے لگے کہ چونسے تو اب رہے نہیں، فجری بھیجے جائیں تو کیسے رہیں گے۔ میں نے بڑے خلوص سے اتفاق کیا۔ چناں چہ اس کا اہتمام ہونے لگا۔ دوڑ دھوپ میں (جو زیادہ تر ذہنی تھی) میں بھی برابر شریک رہا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ سرور صاحب، سیدین صاحب کے ہاں آم بھیجنے والے ہیں۔ چناں چہ آمنا سامنا ہونے پر اکثر ایسا ہوا کہ لوگ ہم دونوں سے کترا کر نکل گئے ایک دن اتفاقاً اس پر بحث ہوگئی کہ آم وزن کے اعتبار سے بھیجے جائیں یا تعداد کی رو سے سرور صاحب مُصر تھے کہ وزن سے بھیجے جائیں۔ میں اور دوسرے شرفا اس بات کی صلاح دیتے تھے کہ تعداد کے اعتبار سے بھیجے جائیں۔ میں کہتا تھا چونسے والے آم اور فجری میں کچھ تو امتیاز رکھیے۔ پھر آم تو بے جان و بے زبان ہیں۔ دوست دشمن آپ کو اور سیدین صاحب کیا کہیں گے میں سیدین صاحب کو لکھ دوں گا کہ آم نایاب ہو چکا تھا۔ اس لیے یہ آم میں نے اور سرور صاحب نے مل کر بھجوا دیئے اس لفظ ''مل کر'' نے سرور صاحب کو چوکنا کر دیا۔ وہ کہتے تھے اور اس معاملہ میں یقیناً ان کے کان بھرے گئے تھے کہ مل کر کے معنی ہیں اخراجات مل کر برداشت کریں گے۔ میں کہتا تھا کہ یہ سیدین صاحب پر بہتانِ عظیم ہے۔ انھیں کے بزرگ حالی کے ہم عصر اسمٰعیل میرٹھی تھے جنھوں نے ایک نظم میں مل کر کا لفظ ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جہاں چھپر زیادہ وزنی تھا اور اٹھانے والے کم تھے۔ غرض میں نے بہت کچھ سمجھایا، آپ کے احسانات یاد دلائے۔ خود ان کی شرافت کا واسطہ دلایا حکیم صاحب سے شکایت کر دینے کی دھمکی دی، جناح سے پٹوا دینے کی بشارت دی۔

یہ شخص مدتوں چپ رہا یعنی بیٹھا رہا، اگرچہ اشارے ہوا کیے۔ کئی دن میں آپ کا خط۔ لے کر آئے اور نہایت غیر جانب دارانہ لہجہ میں فرمایا۔

''رشید صاحب آم تو ختم ہوئے''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب میں یہ کرتا ہوں کہ بدایوں۔ کے عمدہ پیڑے بھیجے جائیں"

آپ یقین فرمایئے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی، اور منہ میں پانی بھر آیا اب سنئے! اس میں بھی ایک راز ہے۔ بدایوں کے ایک پیر مرد ہیں جو آپ کے بچپن اور میری جوانی میں بدایوں کے پیڑے کالج میں بیچا کرتے تھے۔ اب پیڑوں کے بجائے قلمی کرم خوردہ کتابیں بیچتے ہیں، جب میں بوڑھا اور آپ جوان ہیں، یاد رکھئے اور یہ بات میں نے سرور صاحب سے بھی کہہ دی ہے کہ اس شخص کا پیڑا کھا کر میں بوڑھا ہو گیا تو اُس کی کرم خوردہ کتاب پڑھ کر آپ یا سرور صاحب کب تک جوان رہیں گے اس لیے "با ادب باملاحظہ ہوشیار!" بقول فلم "پکار"!

دیکھئے اس صدائے نقیب کو زور زور اور جلدی جلدی پڑھنے نہ لگئیے گا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ کسی شریف کے گھر میں نور جہاں یا دھوبن نہیں ہوتی! بالخصوص ایسے زمانہ اور حالت میں جب سرور صاحب سے سنگرام سنگھ بھی پناہ مانگتا ہے!

تو جناب سیدین صاحب، مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرور صاحب کچھ کرم خوردہ کتابیں دے کر انہیں پیر مرد سے پیڑہ معاوضہ میں لے کر آپ کے ہاں بھیجنے والے ہیں اور اسی پیڑے میں زہر ملا کر پیر مرد کو دے دیں گے، اور کتابیں اینٹھ لیں گے۔ اس طور پر کرم خوردہ کتابوں کی بکری بند ہو جائے گی آپ کو بھی کوئی شکایت نہ ہوگی، اور مجھے بھی اک جھنجھٹ سے نجات ہو جائے گی۔ مجھے آثار اس قسم کے نظر آ رہے ہیں کیوں کہ حال ہی میں سرور صاحب بیوی بچوں کو لکھنؤ پہنچا آئے ہیں۔ ملیریا کی شکایت کرتے ہیں، سوڈا اور دودھ پیتے ہیں اور ایم۔ اے اُردو میں بھی پڑھنے کے بہانے سے لڑکیاں آنے لگی ہیں!

لیکن یقین فرمایئے کہ یہ شخص بدایوں کے پیڑے کبھی نہ بھیجے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ہفتہ عشرہ میں علی گڑھ کی صابونی بھیجنے کی اسکیم پر بحث شروع کر دے اور ڈاکٹر اصغر کو ہمیشہ کے لیے ناخوش کر دے آپ کا کیا آپ اُسے بھی قبول کر لیں گے۔ آپ ہی کے ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ڈاکٹر خان تو پہلی بھیت کے پاؤ بھر چاول بھی ماسٹروں سے لے لیا کرتے تھے۔ وہ بھی ماسٹر تھے اب آج کل بھی ہیڈ ماسٹر ہیں، لیکن خبردار رہیے آپ کا سابقہ مہاماسٹر یعنی "فتنہ بدایوں" سے ہے"۔ (خطوط رشید احمد صدیقی جلد سوم ص ۱۱۸)

یہ اقتباس طویل ضرور ہے۔ لیکن طوالت کے باوجود اپنی دلکشی، جاذبیت اور برجستگی کی بناء پر قابل ستائش ہے۔ طنز و مزاح کے دوسرے حربوں میں واقعاتی مزاح اور مزاحیہ کردار کی تخلیق کے حربے شامل ہیں۔ واقعاتی مزاح کے تین عناصر ہوتے ہیں۔ ناہمواریوں کی اچانک پیدائش، مسئلہ یا الجھن میں گرفتار کردار اور ناظر یا قاری کا احساس برتری کہ وہ اس سے محفوظ ہے اور یہ اطمینان کہ اس واقعے سے کسی کو گزند نہیں پہنچا۔ ان تمام عناصر کا اہتمام کرنے کے باوجود کوئی واقعہ یا کردار خواہ کتنا ہی مضحکہ خیز کیوں نہ ہو اگر اُسے موزوں الفاظ میں بیان نہ کیا جائے تو وہ مؤثر نہیں رہتا۔ الفاظ کا انتخاب اور اُن کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دروبست، ان کی ترتیب، ان کی الٹ پھیر سب مل کر فقروں کو معنی خیز اور مؤثر بناتے ہیں۔ رشید احمد مزاح نگار ہونے کے ناطے اس گر سے خوب واقف ہیں۔ وہ واقعے اور کردار کی تخلیق اس انداز میں کرتے ہیں کہ قاری کی ساری توجہ ان کی تحریر پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ اپنے خط بنام لیڈی امت المسعود مرقومہ ۲۳ رجون ۱۹۴۸ء میں حکیم عبداللطیف کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے ماسٹر تارا سنگھ اور ڈاکٹر تارا چند کے مغالطے کا ذکر کرتے ہیں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہیں:

"حکیم صاحب کے لطائف کا زرین دور وہ تھا جب حمیدہ سلطان کا خاندان نیلی چھتری میں شادی کے سلسلہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ موصوفہ نے ایک دن حکیم صاحب کے ذوق شعر و ادب سے متاثر ہو کر اپنے افسانہ کی مخطوطات نکالیں اور ٹھیک اس وقت جب حکیم صاحب دوپہر میں چارپائی پر لیٹے تھے کہ موصوفہ بیاض لے کر آ پہنچیں۔ کچھ دیر تک تو حکیم صاحب بے ضرورت اور قبل از وقت یعنی بہت جلد جلد ہوں ہوں کرتے رہے۔ اتنے میں آواز دی حمیدہ ذرا ایک گلاس پانی تو لانا۔ موصوفہ نے از راہِ اخلاق اپنی خدمات پیش کیں اور اندر جا کر پانی لائیں تو حکیم صاحب معہ تہمد غائب تھے! گھر میں ڈھونڈیا پڑی۔ حکیم صاحب کی بیوی بار بار کہتی تھیں، اے لو بیوی چھوٹے میاں غائب ہیں۔ ارے مجھ مردی کو کیا معلوم تھا۔ وہ ایک مریض نئی تہمد دے گیا تھا نا، ضد میں آ کر اسے آج ہی نکلوا کر پہنا۔ میں کہتی رہی ارے چھوٹے میاں اب تمھاری عمر نئی تہمد پہننے کی نہیں رہی لیکن مجھ مردی کی کون سنتا ہے۔ ارے شاہدہ، ارے مردی اٹھتی نہیں، دیکھتی نہیں، چھوٹے میاں غائب ہیں۔ شاہدہ کمرے سے واپس آئیں تو بولیں۔ کرسی پر پاجامہ بھی نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ بولیں، یہ اور سنو۔ تہمد تو در کنار رہی، لٹھے کا نیا پاجامہ بھی غائب۔ ابھی مردن دھوبن سے لڑ لڑ کر تو یہ پاجامہ واپس لیا تھا (حمیدہ سلطان گھر واپس جا چکی تھیں۔ وہ بھی اس طور پر نہیں کہ حکیم صاحب غائب تھے بلکہ جیسے وہ خود غائب ہو گئی تھیں اور ملتی نہ تھیں) اور لو ان دلّی والیوں کو بساؤ۔ کچھ نہ کچھ چٹخارے دستر خوان پر بھیج دیا نہ کرتی تھیں۔ میاں تو بی بی لٹو نہ ہو گئے تھے۔ مجھ مردی کو یہ سلیقہ کہاں سے آئے۔ دو گھنٹہ بعد حکیم صاحب واپس آئے تو بیگم صاحبہ نے فوراً پوچھا، او چھوٹے میاں وہ تہمد کیا ہوا! حکیم صاحب بے چارے سٹپٹا گئے۔ آئے تو بڑے فاتحانہ انداز سے تھے جیسے کہ دیکھا ہم مل گئے تہمد کے سوال پر حاضرین کو اس طور پر دیکھنے لگے جیسے شاید ان میں سے کسی نے پہن رکھا ہو۔

پھر بولے، "مجھے کیا معلوم کمرہ میں ہوگا" شاہدہ کو شک گزرا تو اس نے کہا۔ "ابا آپ تو پاجامے کے نیچے پہنے ہوئے ہیں،" حکیم صاحب نے ایک چک پھیری لی اور بولے "ارے وہ جلدی میں اسی پر پاجامہ پہن لیا تھا!"

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۳۵)

خطوط میں رشید صدیقی کی جزئیات نگاری، کفایتِ لفظی اور اسلوب کی بے ساختگی واقعے کی منظر کشی کو زیادہ واضح، جان دار اور معنی خیز بنا دیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا حالی نے خطوط غالب کے حوالے سے لکھا ہے:

''وہ چیز جس نے اُن کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامہ سے زیادہ دل چسپ بنا دیا ہے۔ وہ شوخی تحریر ہے'' ؎۲

یہی بات رشید احمد کے خطوط کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ ان کے خطوط میں بھی شوخی اور شگفتگی کے ساتھ ان کرداروں پر طنز کی گئی ہے جو ان کے مضامین میں تختۂ مشق بنے ہیں۔ ملا، مولوی اور شیخ کو اردو ادب میں ایک خاص علامت کی حیثیت حاصل ہے۔ رشید احمد نے اپنے مضامین میں کئی جگہ اُن پر چوٹ کی ہے۔ اپنے مضامین کی طرح، اپنے خطوط میں بھی انھوں نے مولویوں کا خوب خاکہ اڑایا ہے۔ اور ان کی ریاکاری، منافقت اور دکھاوے کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ آل احمد سرور کو ۸؍جون ۱۹۵۱ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''آپ تو جانتے ہیں کہ دو وقت ایسے ہوتے ہیں جب آدمی جھوٹ نہیں بولتا تا وقت کہ وہ مولوی ہی نہ ہو، یعنی جہاں اخلاص ہو یا دم واپسیں ہو۔ مولوی کو اخلاص سے کیا سروکار رہا مرنے کی ساعت تو آپ جانتے ہیں جو تمام عمر خدا کو exploit کرتا رہا وہ مرتے دم کیسے اپنی حرکتوں سے باز آئے گا۔''
(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۳۲)

مولوی نذر، نذرانے اور تحفے تحائف سمیٹنے کے شائق ہوتے ہیں۔ رشید صاحب کو جب کبھی کہیں سے کوئی تحفہ موصول ہوتا انھیں مولوی یاد آ جاتے۔ عبدالقادر جوان کے شاگردوں اور عزیزوں میں سے تھے اور جو انھیں اکثر تحائف بھجواتے رہتے تھے ان کو ۲۶؍فروری ۱۹۴۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''شہد کی بوتلوں کا پارسل کل تک تو موصول نہیں ہوا ممکن ہے آج کل میں آ جائے۔ تحفہ لینا دینا بڑی اچھی بات ہے لیکن اپنے طالب علموں سے تحفہ لینا میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث ہوتا ہے مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں آدمی نہیں مولوی ہوں۔'' (حنائے علی گڑھ ص ۵۵)

مولوی کی شخصیت کا ایک عنصر ندیدہ پن اور بسیار خوری بھی ہے۔ رشید احمد اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تخلص بھوپالی کو لکھتے ہیں:

''کھانے پینے میں کسی مولوی کو نیچا دکھانے کی کوشش مت کیجیے اس وادی میں خود مولوی کسی مولوی کا مقابلہ نہیں کر سکتا'' (خطوط رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۱۷۵)

مولویوں کے ساتھ ساتھ رشید احمد نے اپنے مضامین میں سیاسی لیڈروں اور نیتاؤں کی بھی خوب بھد اُڑائی ہے۔ جو اپنی سیاست چمکانے کے لیے غلط حربے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ جن کے اصول، مفادات اور ترجیحات وقت اور حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ اور جو عوام کو اپنی سیڑھی بنا کے اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ لیڈروں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اصلی لیڈر نہ مار کھاتا ہے اور نہ مرنا گوارا کرتا ہے۔ لیڈر مار کھانا شروع کر دے تو پھر قوم کی رہبری کون کرے۔ مار کھانا اور رہبری کرنا دونوں کام ایک لیڈر سے کیونکر سر انجام پا سکتے ہیں۔ تاہم یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستور چلا آتا ہے کہ مار کھانا قوم کا حق ہے اور مار سے بچنا لیڈر کا فرض۔''۵

اپنے خطوط میں بھی وہ لیڈروں پر گہرے وار کرتے ہیں اور انھیں 'بڑے لوگ' قرار دے کر آل احمد سرور کو ایک خط مورخہ ۱۳/اکتوبر ۱۹۴۸ء میں لکھتے ہیں:

''ہمارے بڑے لوگ ہر چیز سے کام لیتے ہیں، سمجھ سے کبھی نہیں لیتے، سمجھ سے کام لیں تو نیت پر بھی پردہ پڑا رہتا۔ مگر کیا کیجیے، عقل یا ہمدردی سے کام لینے والے ہم میں ذرا کم ہی ہیں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۴)

رشید احمد ہمیشہ سیاست دانوں اور مطلب پرست لیڈروں پر لعن طعن کرتے رہے، لیکن اس کے باوجود اپنے ایک خط میں اپنے لیڈر بننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور اس کے انجام کا مرقع بھی نہایت دل پذیر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آل احمد سرور کے نام ۲۲،۲۳/اکتوبر ۱۹۴۷ء کے خط میں رقم طراز ہیں:

''ایک دن شام کو اصغر صاحب کے ہاں جانے کے لیے سائیکل پر بیٹھا۔ طبیعت میں گدگدی سی پیدا ہوئی کہ میں کچھ دن کے لیے لیڈر کیوں نہ بن جاؤں۔ اصغر صاحب تک پہنچا تو تقریر، اسکیم اور جدوجہد کی ساری اسکیم ذہن میں مستحضر تھی۔ وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ میں نے قربانی، رائلٹی، علی گڑھ کے آئندہ مسلک، اسٹاف کے رویے پر تقریر کی۔ سب نے بڑے غور سے سنا اور اس طور سے گویا وہ پورے طور پر مجھ سے اتفاق کرتے تھے۔ اتنے میں ایک اور صاحب آ گئے۔ جان پہچان کے ہیں اور نام لے لوں تو آپ پہچان جائیں گے۔ انھوں نے سنا تو لال بھبوکا ہو گئے اور بہت کچھ چیخ کر اور سارے آداب شرافت بالائے طاق رکھ کر بولے۔ یہ بات اور باتیں ''ہم سے پوچھے بغیر'' ''مان کیوں'' لی گئیں! سارے لوگ متحیر رہ گئے اور بعضوں نے سنجیدگی سے سمجھانا بھی شروع کر دیا لیکن یہ خاکسار اور اس کی لیڈری ختم ہو گئی۔ تلوے سے آگ اٹھی اور سر کے بیچوں بیچ سے نکل گئی ''زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا۔'' بس یہی جی چاہتا تھا کہ لپک کر ان کی گردن دونوں پنجوں سے اس طرح دباؤں کہ ان کا دم میری گرفت کی فشار سے اور میرا دم غیظ و غضب اور ہائی بلڈ پریشر سے نکل جائے، لیکن میں نے کچھ نہ کیا اپنی لیڈری کو ہزار لعنتوں کے ساتھ دفن کر کے چلا آیا۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۷۸)

انھوں نے اپنے خطوط میں جہاں مولویوں اور لیڈروں کو موضوع بنایا ہے وہیں اپنے نجی خطوط میں بیگم کے کردار کو بھی بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ امت المسعود کے نام خط میں لکھتے ہیں:

''اس وقت میرے پہلو میں ذرا فاصلے پر کافی اونچائی پر بیٹھی ہوئی کپڑے قطع کر رہی ہیں اور رہ رہ کر میری طرف اس طور پر دیکھتی ہیں کہ ذرا غافل ہوں تو وہ کپڑے کے ساتھ اُن جائز ناجائز تعلقات کو بھی قطع کر دیں جو میرے اور اُن کے درمیان اس زمانے سے چلے آتے ہیں جب وہ بالغ تھیں اور میں عاقل نہ تھا''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(خطوطِ رشید احمد صدیقی ص ۲۳)

اس خط میں آگے چل کر اپنے مخصوص انداز میں نواب راحت چھتاری کو کھانے کی دعوت دینے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"برسات کی وجہ سے میرا دل بھی ذرا (نیت کے ساتھ) ڈانواڈول ہی رہتا ہے چنانچہ ان کی فرمائش پر میرا دل اور کلیجہ تو نہیں معدہ البتہ دھک سے ہو جاتا ہے اور "ہاں" منھ سے نکل جاتا ہے۔ بیوی سے اس معاملہ پر بحث بھی ہوئی۔ وہ کہتی ہیں کہ آخر آپ کا معدہ دھک سے 'نہیں'، کیوں نہیں کہہ دیتا۔ میں نے کہا جب ایک بار دل نے دھک سے ہاں کہہ دیا تو تم نے کچھ نہ کہا بلکہ تمہارے گھر گھی کے چراغ جلے، اب کہتی ہو کہ دھک سے "نہیں" کیوں نہیں کہہ دیتے۔ میں کچھ تم جیسا تو ہوں نہیں کہ 'ہاں نہیں' کا کبھی فیصلہ ہی نہ کر سکے!"

(خطوطِ رشید احمد صدیقی ص ۲۶)

بیوی ہمیشہ میکے اور اپنے رشتہ داروں پر جان چھڑکتی ہے اور ان کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتی جب کہ اکثر مزاح نگاروں کے یہاں مزاح کا نشانہ ان کی ساس بنتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی نہایت عمدگی سے اپنی خوش دامن پر تیر چلاتے ہیں۔ یکم فروری ۱۹۴۰ کے خط میں امت المسعود کو لکھتے ہیں:

"اہلیہ قریب ہی بیٹھی ہیں گاجر چھیل رہی ہیں اور اپنی والدہ کے آنے کا مژدہ سن کر باغ باغ ہو رہی ہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ گاجر کدوکش پر چڑھایا جائے یا چاقو سے چھیلا تراشا جائے۔ میں نے بے خبری کے عالم میں کہہ دیا کہ والدہ تمہاری ہیں، مجھے کیا معلوم تم کیسا سلوک کرنا پسند کرو گی، میں تو انہیں دونوں کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

(خطوطِ رشید احمد صدیقی ص ۳۰)

رشید صدیقی کے اسلوب و نظریات پر اکبر الٰہ آبادی کے افکار و اسالیب کی پرچھائیں دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ قدامت پسند تھے اور نئے خیالات و افکار انہیں جلد مرعوب نہ کر سکتے تھے۔ ادب میں بھی انھوں نے نئی اور جدید تحریکات کو قابل اعتبار نہ سمجھا ان کی تحریروں میں ترقی پسند تحریک اور جدیدیت پر کئی جگہ طنز کے وار دیکھے جا سکتے ہیں۔ اپنے خطوط میں بھی انھوں نے ترقی پسندوں کو نہیں بخشا۔ نظیر صدیقی کو لکھتے ہیں:

"ترقی پسندوں کے بارے میں آپ نے کہیں کہیں بڑے مزے کی باتیں لکھی ہیں۔ گرم ممالک میں لڑکے لڑکیاں بالغ بہت جلد ہو جاتی ہیں۔ عاقل بہت دیر میں۔ ہندوستان کے ترقی پسندوں اور ادیبوں کا یہی حال ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے عقل کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے بلوغت سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔"

(خطوطِ رشید احمد صدیقی ص ۲۷۰)

ترقی پسندوں کے ہاں چند اصطلاحات بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ رشید صاحب نے مجروح سلطان پوری کو ایک خط میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا کہ عوامی محاذ اردو کا سب سے فیصلہ کن محاذ ہے جواب میں مجروح صاحب نے ''عوامی'' کی وضاحت چاہی انھیں لکھتے ہیں:

''عوامی سے میری مراد کوئی اصطلاح نہیں بلکہ جمہور ہے جس میں آپ ہم سب شامل ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کے قبیلے نے ہر لفظ اور فقرے کو اصطلاح بنا دیا ہے۔ اس سے باہر کوئی بات کیسے کرے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۱۳)

ترقی پسندوں کے علاوہ رشید احمد کو کمیونسٹ بھی متاثر نہیں کر سکے۔ کمیونسٹوں کے بارے میں انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بڑے سپاٹ انداز میں کیا ہے۔ البتہ ایک جگہ آل احمد سرور کے نام خط میں انھوں نے کمیونسٹوں پر بڑا بلیغ طنز کیا ہے:

''نفس بھی کیسا کمیونسٹ ہے کیسے کیسے بھیس میں کہاں کہاں نظر آتا ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۱۸)

رشید احمد کو زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ رہا خصوصاً دفتری معاملات میں انھیں طرح طرح کے افسروں اور اہل کاروں سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ ان میں سے چند ایسے بھی ہوتے جو ان کے دفتری معاملات میں رخنے ڈالتے۔ آل احمد سرور صاحب کو لکھنؤ کے رجسٹرار کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کچھ کر سکتے ہیں تو کر دیجئے ورنہ ان کی شان میں پہلے فارسی میں کلمات خیر زبان پر آتے تھے جیسا کہ ہادی صاحب پدر سوختہ وغیرہ کہتے رہتے ہیں۔ اب خالص کھڑی بولی میں آنے لگے ہیں سیکولر اور جمہوری۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۳۱)

دوسری جگہ ان کا واسطہ دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار سے پڑا جنھوں نے رشید صاحب کے واجبات روک رکھے تھے اور جو لکھنؤ کے رجسٹرار سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ رشید صدیقی اپنے تجربات و مشاہدات کے بل بوتے پر ان کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو لکھتے ہیں:

''رجسٹرار کو لکھنا بے کار ہے وہاں سے کوئی جواب نہیں آتا۔ یہ میرا سالہا سال کا تجربہ ہے۔ اگر وہاں وہی رجسٹرار ہیں جو پان بہت کھاتے تھے اور شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے جن کے تصرف سے صرف باتونی ہو کر رہ گئے تھے۔ جہاں کہیں ایسا آدمی دیکھیے یقین کر لیجیے نکما ورنہ نا قابلِ اعتبار ہو گا۔''

(مکاتیب رشید ص ۳۵)

طنز و مزاح میں دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنانا بہت آسان ہے جب کہ خود پر خوش دلی سے ہنس دینا کافی مشکل کام ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو قوم اپنے آپ پر ہنس سکتی ہے اور اپنی کمزوریوں کا مذاق اڑا سکتی ہے وہ مہذب اور شائستہ قوم کہلانے کی حقدار ہوتی ہے۔ ۶

رشید احمد نے جہاں معاشرے کے مختلف افراد و اقدار اور تحریکات کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے وہیں وہ اپنی ذات کو بھی نشانہ بنانے سے نہیں چوکے۔ وہ کچھ فطرتاً اور کچھ اپنی مصروفیات کے باعث لوگوں سے کم کم ہی مل پاتے تھے۔ لیکن ان کا ضمیر انھیں ملامت ضرور کرتا تھا۔ اسی احساس نے ان سے کہیں کہیں بڑے دل چسپ فقرے لکھوائے ہیں۔ آل احمد سرور کو ۱۶ جنوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۴۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''میں ساجد سے شرمندہ ہوں کہ ان کی شادی میں شرکت نہ کرسکا اور دو کلمے تہنیت کے بھی نہ لکھ سکا۔ راحت صاحب سے شرمندہ ہوں کہ ان کے محبت نامے کا جواب نہ دے سکا۔ لکھنؤ کے اعزہ سے شرمندہ ہوں کہ ان کی تقریب میں نہ شریک ہوسکا۔ تھوڑے دن اور گزر جانے دیجئے پھر بے حیا ہو کر سب کچھ کرنے لگوں گا۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۷۳)

سید احتشام حسین، رشید احمد کے شاگردوں اور آل احمد سرور کے دوستوں میں سے تھے۔ ان پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی ہی ایک کمزوری کا ذکر کرتے ہیں انداز مکالماتی ہے لکھتے ہیں:

''اور ہاں آپ سے احتشام صاحب کی شکایت کرنی تھی۔ حال ہی میں ایک بار دلی سے علی گڑھ آئے اور بالا ہی بالا چلے گئے۔ اس طرح کی بدعادتیں میں نے تو بڑے ریاض کے بعد اختیار کی ہیں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۰۷)

ادیب وانشا پرداز ہونے کے ناطے انھیں اکثر تعریفی خطوط موصول ہوتے رہتے کبھی تو وہ لکھنے والے کی تعریف کرکے اس کا شکریہ ادا کردیتے اور کبھی کبھی اپنی ذات کو ہدف بنا کر مکتوب نگار کو بھی اپنے طنز کی لپیٹ میں لے لیتے نثار احمد فاروقی کو ایسے ہی ایک خط کے جواب میں ۳۰ دسمبر ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں:

''جب کوئی یہ بتاتا ہے کہ وہ میری تصانیف بڑی دلچسپی سے پڑھتا ہے تو مجھے اس پر بڑا ترس آتا ہے اور اپنے کو بھی قابل ملامت سمجھتا ہوں۔ اپنے پر الزام رکھتا ہوں کہ میں بیچ میں نہ ہوتا تو یہ غریب کوئی بہتر چیز پڑھتا۔ یہ کسر نفسی نہیں ہے کسر نفسی مجھ میں بالکل نہیں ہے جس کا مجھے بالکل افسوس بھی نہیں ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میری کتاب کو چھوڑ کر آپ انگریزی کی کتاب پڑھیں اور اردو لکھا کریں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۲۶۲)

رشید احمد اپنے لباس پوشاک کے معاملے میں خاصے بے پروا تھے۔ جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ اپنے لباس سے بے نیازی اور بے توجہی کو بڑے شگفتہ اور شوخ وشنگ انداز میں بیان کرتے ہوئے عبدالجلیل صاحب کے حوالے سے آل احمد سرور کے نام ۲۷ جولائی ۱۹۴۵ء کے خط میں تحریر کرتے ہیں:

(جلیل صاحب) ''کل صبح آئے تو میں ذرا دیر میں گھر سے باہر آیا قمیص پھٹی ہوئی اور سلیپنگ سوٹ کا پاجامہ اس سے زیادہ خستہ دیکھ کر فرمایا آپ نے بڑا تکلف کیا معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں ننگے ہی پھرتے ہیں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۵۸)

وہ حتی الوسع تصویر کھنچوانے سے بچتے تھے۔ جب کہ ان کے چاہنے والے ان سے تصویر بھجوانے کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ نظیر صدیقی کی اس طرح کی ایک فرمائش کا جواب میں رقم طراز ہیں:

''فوٹو کی فرمائش بدستور میرے ذمے ہے۔ حال ہی میں ایک صاحب سے کہہ دیا تھا کہ تصویر لے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیں، لے بھی لی۔ لیکن چند دنوں بعد یہ کہنے تشریف لائے کہ اچھی نہیں آئی تھی۔ اس لیے اب کسی اور موقع پر کوشش کریں گے۔ بہتیرا سمجھایا کہ اگر وہ میری ہی تصویر لیں گے تو ہمیشہ یہی نقص اور دشواری پیش آئے گی۔ تاوقت کہ وہ کسی دوسرے کی تصویر لے کر اپنا اطمینان نہ کرلیں۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی عنقریب شاید وہ پھر اس سلسلہ میں کوئی کوشش کریں۔" (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۷۵)

خلیل الرحمٰن اعظمی نے اُن کی تصویر بنوائی جس کے حوالے سے انہیں اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"حسب فرمائش دست خط کر کے تصویر واپس کرتا ہوں۔ بہت اچھی بنائی گئی ہے۔ جس نے دیکھی پسند کی اس عزت افزائی پر آپ اور فن کار دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس تصویر کو دیکھ کر مصور کو اس کام یابی پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہا کہ انہوں نے "مشبیہ مبارک" کو تجریدی اور تجسیمی آرٹ دونوں کا نمونہ بنا دیا! یہ کارنامہ آسان نہ تھا۔ اس میں میرا بھی کچھ کم حصہ نہیں"

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۵۲)

طنز و مزاح کے لیے عقل اور جذبات دونوں کو متوازن اور اعتدال پر رکھنا ضروری ہے بلکہ عقل کو جذبات پر غالب رہنا چاہیے، کیوں کہ اگر جذبہ عقل پر غالب آجائے تو طنز و مزاح کا فن متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے رومان کو طنز و مزاح کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ رومان پسند خیالی اور تصوراتی دنیا میں رہتا ہے اور زندگی کے حقائق سے چشم پوشی اختیار کرتا ہے جب کہ طنز و مزاح نگار زندگی کے حقائق کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا ہے اور اُسے بدلنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ رشید صدیقی کے خطوط میں بھی ہم یہ بات دیکھ سکتے ہیں۔ وہ ایک طویل مدت تک ڈیوٹی سوسائٹی سے وابستہ رہے اور اسی سلسلے میں انھیں گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے مکتوب بنام غلام السیدین میں وہ غالب کی مانند مکالماتی انداز اختیار کرتے ہوئے زندگی کے یہی تجربات و حقائق بیان کرتے ہیں:

"مرشد کا ایک قول نہیں تو لطیفہ سنیے مرشد سے ایک صاحب نے قرض مانگا۔ مرشد گھبرائے، شیروانی کا دامن آگے سے کھینچا تانا، پانی مانگنے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا، دوست کی طرف اس نگاہ سے دیکھا جیسے دونوں میں سے ایک ضرور واجب القتل تھا، لیکن ایک پیش نہ گئی۔ دوست نے فرمایا "میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے مانگنا نہیں چاہیے تھا، لیکن اب جب کہ مانگ چکا تو آپ کو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔۔۔" چناں چہ مرشد اس قسم کے مواقع پر اکثر کہہ دیا کرتے ہیں کہ مانگنا تو نہیں چاہیے تھا، لیکن مانگ لیا تو دینا ہی پڑے گا۔ سیدین صاحب آپ کو نہیں معلوم، مجھے اس مطالبہ سے کیسی تفریح یا کوفت ہوتی تھی، لیکن پھر ایک ایسا وقت آگیا کہ مجھے اس حماقت کو اوڑھ لینا پڑا کہ ہر چہ باد باد! اب حماقت پر ماتم کرنا یا خوش ہونا زیب نہیں دیتا۔ اب تو آبرو کا سوال ہے۔"

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد سوم ص ۹۸)

انھوں نے جہاں اشخاص و تحریکات اور اپنی ذات کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا ہے وہیں ان کے ابتدائی خطوط میں موسم پر بھی دل چسپ تبصرے دیکھنے کو ملتے ہیں، موسموں کی تبدیلی سے کہیں وہ لطف اندوز ہوتے ہیں تو کہیں بیزار مگر ہر جگہ وہ اس کا ذکر خاصی خوش مذاقی اور فکر انگیز ظرافت سے کرتے ہیں۔ عموماً وہ اپنے خطوط کے اختتام پر موسم پر ایک مختصر سا تبصرہ کر دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آل احمد سرور کو ۱۸؍ جون ۱۹۳۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"یہاں کا موسم اچھا ہے یعنی بارش بالکل نہیں اور ہوائیں نہایت دل پذیر۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیوی نہ ہو اور بیوی کے لطائف ظرائف میسر۔" (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۵۴)

رشید احمد نے اپنے خطوط میں عموماً گرمی کے موسم کو ناپسند کیا ہے ۲۳؍ جون ۱۹۴۷ء کے خط بنام غلام السیدین میں گرمی کی وحشت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کس بلا کی گرمی پڑ رہی ہے، ہوا بدن کو سلگائے دیتی ہے۔ آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور ہاتھ کے نیچے کاغذ رکھ لیا ہے کہ عبارت بقول غالب "مغشوش" نہ ہو جائے۔ جسم پر سوا ایک پھٹے ہوئے سلیپنگ سوٹ کے کچھ اور نہیں وہ بھی گھٹنے سے اوپر اٹھا رکھا ہے۔ حلیہ کچھ ایسا ہو رہا ہے کہ سوائے عذاب کے فرشتوں کے کوئی اور قریب آنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ وہ بھی اس لیے کہ عذاب کے ہوں یا ثواب کے فرشتوں میں ذوق کی بھی خاصی کمی ہوتی ہے!" (خطوط رشید احمد صدیقی جلد سوم ص ۹۹)

وہ مختصراً موسم کا حال قلم بند کرتے ہیں لیکن کہیں کہیں انھوں نے بڑی وضاحت سے موسم پر تبصرہ کیا ہے۔ ایسے تبصروں میں ان کی ذہانت وطباعی، برجستگی اور شوخی وظرافت سے مکتوب الیہ کے ساتھ ساتھ قاری بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ مسعود حسین خان کو ۲۱؍ جون ۱۹۵۸ء کے خط میں علی گڑھ آنے سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علی گڑھ بدترین جون کی گرفت میں ہے۔ کہیں آپ نہ آجائیں۔ جہنم میں منتخب گناہ گاروں کے لیے منتخب عذاب کے طبقے ہیں، مگر جہاں تک میرا خیال ہے ان میں آگ کے ساتھ دُھول، اُمس اور آندھی کا شمول نہیں ہے۔ جس سے ان دنوں ہمارا سابقہ ہے۔ ایسی دوزخ بنائی بھی گئی تو میرا خیال ہے وہ خود اپنی متحمل نہ ہوگی۔ ممکن ہے مشیت الٰہی میں ایسا کوئی گناہ گار ہی نہ ہو جس کے لیے ایسی دوزخ بنائی جاتی! ایسے گناہ گار تو زندوں میں ملتے ہیں۔ مردوں میں نہیں۔ اس لیے علی گڑھ کا جہنم نشان جون! آپ کی رائے صائب (اعمال صالح ہوں یا نہیں۔) کہ جولائی کے پہلے ہفتے تک اُدھر ہی رہیں۔ آتش نمرود میں عشق کا بے خطر کود پڑنا اقبال نے دیکھا ہوگا، لیکن آپ کا علی گڑھ کی آتشِ جون میں کود پڑنا ہم لوگوں سے بالکل نہ دیکھا جائے گا۔ ایسی حالت میں خاص طور پر جب آپ عشق سے عاری ہوں اور ہم عقل سے محروم ہوں۔ انشاء کے زمانے کی عاشقی اچھی تھی جب آتش نمرود میں کودنے کے بجائے محبوب کے گھر میں کود پڑتے تھے۔ پٹھانوں میں شاید اب بھی ایسا ہی ہوتا ہو۔ قائم گنج کی تاریخ اس بارے میں کیا کہتی ہے۔ ے"

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد چہارم ص ۶۲)

مزاح نگاری کا ایک حربہ زبان وبیان کی بازی گری ہے جسے طنز ومزاح کا ایک اہم حربہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی کی ایک قسم بذلہ سنجی ہے جسے انگریزی میں Wit کہا جاتا ہے۔ مزاح نگار اپنے ذوق ووجدان سے کام لیتے ہوئے وہاں مشابہت تلاش کر لیتا ہے جہاں تضاد اور مخالفت کا عنصر موجود ہوتا ہے اور دوسری جانب تضاد میں یک رنگی اور مشابہت دیکھ لیتا ہے۔ اس میں عموماً الفاظ کے الٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھیر، رعایتِ لفظی، تضمین اور تصرف سے کام لے کر نئے نئے نکتے تلاش کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وٹ کو برمحل حاضر جوابی، فقرے بازی یا ''لفظوں کا کھیل'' سمجھنا چاہیے۔ لفظوں کا ایجاز و اختصار بذلہ سنجی کی سب سے ضروری شرط ہے اور اس کے لیے تضمین و تصرف اور محاورے کے حربے استعمال کرتی ہے۔ مگر مزاح اور بذلہ سنجی میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ مزاح ایک برقی رو کی طرح سارے کے سارے مزاحیہ ادب پارے میں جاری و ساری ہوتا ہے۔ اور ہم کسی ایک مقام پر انگلی رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہاں مزاح موجود ہے۔ اس کے برعکس بذلہ سنجی کا دائرہ محدود ہوتا ہے اور اس کو علیحدہ کر کے بھی دکھایا جا سکتا ہے۔'' (۸)

رشید احمد کے طنز و مزاح میں اثر و دل نشینی زیادہ تر بذلہ سنجی کی مرہونِ منت ہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں معنی خیز تراکیب اور ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی تحریروں میں تاثر و دل آویزی پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے خطوط میں کئی مقامات پر اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مسعود حسین خان نے انھیں تحفے میں شہد بھجوایا جو کچھ عرصہ پڑے رہنے سے خراب ہو گیا۔ رشید صدیقی نے اس کا کیا مصرف تلاش کیا ان ہی کی زبانی ۲۱ رجون ۱۹۵۸ء کے خط میں سنیے:

''آپ نے پونا سے ایک بوتل شہد (قسم اعلیٰ) لا کر دی تھی اسے رکھے رہا۔ ایسی لطیف شے کو مریض کی حیثیت سے کھا کر اس کی بے حرمتی کرنے کا جی نہ چاہا۔ کوئی بھی ایسا نہ ملا جسے دے کر خوش ہوتا۔ پھر یہ ہوا کہ اس کا مزاج بگڑ گیا یعنی شیرہ اور شکر علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے۔ چکھا تو سر کے کا مزا۔ یہ آپ نے بتایا تھا کہ یہ شہد امراضِ چشم میں مفید ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بوتل محلے کی ایک عورت کو دے دی جو زیادہ تر بھوکی اور کبھی کبھی اندھی ہو جاتی تھی۔ اس شہد کے کھانے سے اس کے معدے کو کچھ آسودگی ہوئی کہ آنکھوں کا بھی غم غلط ہو گیا''۔

(خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد چہارم ص ۲۳)

رشید احمد صدیقی شگفتہ بیانی اور نکتہ آفرینی کے ایسے ایسے پہلو تلاش کر لیتے ہیں جہاں دوسرے کا خیال بھی منتقل نہیں ہوتا۔ ان کے دوست اور کرم فرما سیّد عابد علی عابد نے اپنے آپریشن کا حال لکھوا بھیجا تو رشید صدیقی نے ان کی تیمارداری کرتے اور انھیں حوصلہ دیتے ہوئے لکھا:

''آپ نے خط لکھا نہیں لکھوایا ہے۔ پھر بھی اس مختصر کارڈ میں آپ نے آپریشن کو جتنے سخت الفاظ میں یاد کیا ہے وہ زورِ بیان شاید آپ کے پچھلے کسی پورے مضمون میں نہ ملے۔ بڑا لطف آیا۔ اپنے انداز میں ایک آپریشنِ آشوب کیوں نہ لیٹے لیٹے لکھوایئے۔ شیخ سعدی سفر سے واپس آئے تو دوستوں کے لیے گلستاں بوستاں لکھ لائے تھے۔ آپ آپریشن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو ہم سب کے لیے یہ اسپتال آشوب کیوں نہ لائیں۔۔۔ عابد صاحب عبادت کی طرح عیادت کا مزا بھی جوانی میں ہی ہے۔ میں نے جوانی میں عبادت کے تو نہیں عیادت کے مزے اٹھائے ہیں۔ خدا کرے موجودہ عمر میں آپ کو دونوں کا لطف میسر آئے۔''

(خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد ششم ص ۲۰۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آل احمد سرور صاحب نے ایک موقعے پر رشید احمد سے شکایت کی کہ وہ ان کے خطوط کے جواب ارسال نہیں کرتے۔ جواب میں ۲۶ جون ۱۹۵۰ء کے خط میں ان کا الزام رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ الزام تو مجھے بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خط لکھنے میں کوتاہی کی ہو۔ میں عورتوں اور مولانا ماجد کے خطوط کا بڑی پابندی سے جواب دیا کرتا ہوں۔ عورتوں سے دنیا سنورتی ہے مولانا ماجد سے عاقبتِ آپ حدِ اوسط ہیں اس لیے بگاڑ آپ سے بھی اچھا نہیں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص۱۱۴)

بذلہ سنجی کے ساتھ ہی زبان و بیان کی شعبدہ بازی کا ایک حربہ رعایت لفظی pun بھی ہے۔ رعایتِ لفظی کے لیے جدت، بے ساختگی اور زبان و بیان پر عبور ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ رشید احمد کی دیگر تحریروں کی مانند خطوط میں بھی اس کا استعمال ملتا ہے خصوصاً آل احمد سرور کے نام اکثر خطوط میں ایک آدھ جملہ ایسا ضرور مل جاتا ہے جس میں اس کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔ آل احمد سرور کے نام غلام السیدین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سیدین صاحب کی پیشانی پر کبھی پسینہ نہیں آتا۔ اس لیے ان کی پاکدامنی عرق عرق نہیں ہو سکتی۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۶۵)

آل احمد سرور اور رشید احمد نے بنگلور کا سفر ایک ساتھ کیا۔ سخت گرمی کا موسم تھا اس لیے آل احمد سرور نے ایک صراحی اپنے ساتھ رکھ لی۔ جہاں ٹرین رکتی پانی بھرنے کی فکر کرتے۔ رشید احمد کو ان سے کسی سلسلے میں تعرض پیدا ہوا۔ اس حوالے سے انھیں ۷ر جون ۱۹۴۹ء کو خط تحریر کرتے ہیں:

''میں ان باتوں کو یوں معاف کر دیتا ہوں کہ آپ نے صراحی بھرتے رہنے میں جس شوق نہیں شرافت کا ثبوت دیا اس سے مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۹۹)

سرور تونسوی نے ان سے مضمون لکھنے کی فرمائش کی جس کے جواب میں اپنا عذر و معذوری بیان کرتے ہوئے ۲ر جون ۱۹۵۱ کے خط میں لکھتے ہیں:

''مضمون لکھنے کی فرمائش پوری کرنے کی میں جتنی کوشش کرتا ہوں اور کچھ نہیں کر پاتا اگر اس کی نصف کوشش اپنے یا آپ کے اخلاق و عادات سدھارنے کی کرتا تو یقیناً کامیاب ہوتا اور کچھ اور نہیں تو میری دنیا اور آپ کی عاقبت ضرور سدھر جاتی۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۱۴۱)

مسعود حسین کو ایک شعر لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

''ممکن ہے اس گرفتاری میں کہیں کہیں سے شعر کے پر و بال کی شکست و ریخت ہو گئی ہو تو آپ ٹھیک کر لیجیے گا۔''

(رقعات رشید صدیقی ص ۹۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ انھیں ہی لکھتے ہیں:

''اس وقت نہ سروری صاحب کا پتہ یاد رہا نہ ان کی بچی ڈاکٹر ثمینہ شوکت کا دونوں کو آپ کا ضامن قرار دے کر یہ خط لکھتا ہوں۔ ضامن البتہ کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو خود امام ضامن، دوسرے عدالتی، تیسرے حقہ کا ضامن ان میں اپنا درجہ متعین کر لیجیے۔''

(رقعات رشید صدیقی ص ۶۱)

رشید صدیقی کا فن طنز و مزاح میں بذلہ سنجی، رعایت لفظی اور قول محال کا فن ہے وہ لفظوں کے گہرے نبض شناس ہیں۔ اپنی ہنر کاری اور حکیمانہ نکتہ رسی سے کام لے کر وہ ایک جملے میں جہان آباد کر دیتے ہیں۔ ان کے طنز و مزاح کا ایک حربہ قول محال paradox ہے۔ اسلوب احمد انصاری، رشید احمد کے طنز و مزاح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کے مضامین سے پورا پورا لطف اٹھانے کے لیے یقیناً ایک اچھے ذوق اور اپنے ادبی سرمائے سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ ان کا آرٹ بلیغ فقروں اور دل چسپ اشاروں، شوخ رنگوں اور گہری باتوں کا آرٹ ہے۔ paradox یا قول محال سے انھوں نے بڑا کام لیا ہے۔''۹

ان کے ابتدائی خطوط میں جگہ جگہ اس کا استعمال ملتا ہے۔ آل احمد سرور کو ۱۹۵۴ء کے ایک خط میں اپنے روزے نہ رکھ پانے کی خجالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''رمضان میں روزے نہیں رکھ پاتا تو صدقے سمیٹتا ہوں اور تبرک تقسیم کرتا ہوں کاروبار یہ بھی برا نہیں۔''

(رشید احمد صدیقی کے خطوط ص ۱۶۶)

مسعود حسین خان نے امریکہ میں قیام کے دوران ایک خط میں ہندوستانی اور امریکی آرٹسٹوں کا موازنہ کیا تھا جواب میں انھیں لکھتے ہیں:

''آپ نے وہاں اور یہاں کے مختلف مدارج کے آرٹسٹوں کا موازنہ بڑا اچھا کیا ہے جس طرح ہر جگہ عورتیں اپنی فطرت کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہیں۔ یہ آرٹسٹ کی قوم بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ ''نیم وحشیانہ'' یا ''نیم وحشی'' ''اصناف کو کیا کہیے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد چہارم ص ۲۶)

سید احتشام حسین کو ۱۶؍ دسمبر ۱۹۵۴ء کے تحریر کردہ خط میں لکھتے ہیں:

''سنا بھی ایسا ہے کہ عورتیں معذور اور مریض کا بڑا خیال کرتی ہیں اور کہیں وہ مصنف بھی ہو تو دل و جان سے شیدا ہو جاتی ہیں۔''

(مکاتیب رشید ص ۵۲)

حیرت شملوی صاحب نے خط کا جواب نہ دینے کا گلہ کیا جواب میں ۲۴؍ دسمبر ۱۹۵۰ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''میں نے یقیناً بروقت جواب نہ دینے کا گناہ کیا ہوگا۔ میں نے اس سے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں۔ اسی لیے خطوط کا جواب نہ دینے کا گناہ ایسا نہیں ہے جس سے میں چونک پڑوں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۱۳۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطوط میں انھوں نے اکثر مقامات پر بات میں سے بات نکالتے ہوئے ایک یا چند جملوں میں قولِ محال کا استعمال کیا ہے البتہ ایک اقتباس میں انھوں نے لفظیات، جملوں کی ساخت امیجری اور واقعات کے بیان میں اسے بڑی بے ساختگی، روانی اور فن کارانہ نظم وضبط سے استعمال کیا ہے۔لیڈی امت المسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں جس میں اپنی بیوی کا ذکر ہے:

"آپ نے ان کو اِندور بلانے کی دعوت دی تھی وہ آمادہ بھی ہوئیں، لیکن میرے سمجھانے بجھانے سے مان گئیں۔ کبھی کبھی بغاوت پر بھی آمادہ ہوتی ہیں تو میں ان کو سمجھا دیتا ہوں کہ تم کو کس چیز کی کمی ہے۔ خدا کے فضل سے بچوں کی کمی نہیں، شوہر کی زیادتی نہیں۔ دوستوں میں مسز مشرف بزرگوں میں بیگم محمود، کھانے کو آم، پہننے کو ساری غصہ اور نظر اتارنے کے لیے یہ خاکسار، چلنے کے لیے علی گڑھ کی سڑکیں، مدعو کرنے کے لیے لیڈی مسعود پوجنے کے لیے ان کی والدہ نماز پڑھنے کے لیے تمھاری والدہ آخر کیا نہیں ہے۔"

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۶)

رشید احمد نے اپنے طنز و مزاح کو موثر بنانے کے لیے جہاں دیگر وسائل ولوازمات کا استعمال کیا ہے وہیں alliteration یعنی حرفی صنعت یا صنعتِ تجنیس سے بھی بھر پور کام لیا ہے۔ تحریر وتقریر میں دو یا دو سے زائد ہم آواز الفاظ کا استعمال تجنیس کہلاتا ہے۔ یہ بذات خود مزاح تخلیق نہیں کرتا لیکن اس کا معنی خیز، موثر اور برجستہ استعمال مزاح کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ رشید احمد کی دیگر تحریروں کے ساتھ خطوط میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ وہ اس سے اپنی تحریر میں بلاغت اور صوتی آہنگ بھر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان دنوں آپ کی صحت یا صحبت خراب رہی ہو۔"

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد سوم ص ۶۶)

"seeding آپ اپنی شاطری یا شاعری سے حاصل کریں گے۔"

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد چہارم ص ۱۸۰)

ان کے آخری دور کے خطوط میں Alliteration کا استعمال بکثرت ملتا ہے جو اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اس میں ان کی شعوری کوشش کو دخل نہ تھا بلکہ یہ ان کے اسلوب کا حصہ بن چکا تھا۔

رشید احمد کے خطوط میں بذلہ سنجی، رعایتِ لفظی، قولِ محال، صنعتِ تجنیس کے ساتھ ساتھ فقرہ تراشی کا فن بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی تحریروں میں قول محال parodox اور epigram فقرہ تراشی کے جو نقوش ملتے ہیں وہ انھیں انگریزی مصنفین چسٹرٹن اور برنارڈ شا کے قریب کر دیتے ہیں۔ اردو میں فقرہ تراشی میں ان کا موازنہ سجاد انصاری سے کیا جاتا ہے لیکن سجاد انصاری کی فقرہ تراشی صرف رومانیت تک محدود تھی جب کہ رشید احمد نے اس فن سے زندگی کی وسعتوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ جس طرح شعراء کے اشعار موقعے کی مناسبت سے دہرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح رشید احمد کے فقرے موقع ومحل کی مناسبت سے بولے جاتے ہیں۔ وہ اپنے فقروں میں فلسفیانہ حقائق کو اس خوب صورتی سے سموتے ہیں کہ سہل ممتنع کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں اور بقول نظیر صدیقی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''وہ طنز و مزاح کو فلسفہ اور فلسفے کو آرٹ بنادیتے ہیں۔'' ۱۰

خطوط میں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

''اپنا دربار بنائیے اور نہ کسی دوسرے کے دربار سے تعلق رکھیے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد ششم ص ۱۶۸)

''بڑا آدمی وہ ہے جو خوف اور مایوسی میں نہ خود خائف اور مایوس ہو نہ دوسروں کو ہونے دے۔ آدمی کی تخلیق خوف اور مایوسی پر نہیں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد چہارم ص ۵۲)

''آج تک کوئی پیغمبر فلسفی یا صوفی نہ ہوا۔ شاعر اکثر پیغمبر رہا ہے۔''

(مکاتیب رشید ص ۵۲)

''کام کرتے رہنے میں عزت نفس قائم رہتی ہے جو انسان کی بہت بڑی متاع ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد پنجم ص ۱۴۵)

''سبھی اپنی اپنی فکر میں ہیں اور سبھوں کی فکر میں دوسرے ہیں۔'' (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۸۲)

''خوش ہونے اور دعا دینے کے لیے زمان کی قید نہیں ہوتی۔'' (مکاتیب رشید احمد صدیقی ص ۳۰۷)

''قسمت کا کھیل آدمی کو بدلتا نہیں صرف بے نقاب کر دیتا ہے۔'' (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۲۷)

''نیچر احسان کرتی ہے تو اس کا تاوان بھی بھرپور وصول کرتی ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی جلد ششم ص ۴۱)

''اچھا فقرہ، فقرہ نہیں ہوتا، حقیقت یا واقعے کی بشارت ہوتی ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۹۴)

''زیادہ جینے میں ایک قباحت یہ ہے کہ اچھے لوگوں کی جدائی اٹھانی پڑتی ہے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۸)

ڈاکٹر محمد عرفان ان کی فقرہ تراشی اور قولِ محال کے فن کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''وہ فقرے تراشنے کے فن میں بے مثال ہیں۔ ان کا طنز و مزاح وہیں زیادہ کامیاب ہے جہاں وہ چند لفظوں اور ایک آدھ فقروں میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشید صاحب کے یہاں واقعاتی مزاح اور مزاحیہ کردار کیفیت و کمیت کے اعتبار سے کم ہیں۔ ان کے مضامین سے طویل اقتباس لینے کی کم ضرورت پڑتی ہے اس لئے کہ ان کے طنز و مزاح پر بذلہ سنجی کی چھاپ نمایاں ہے۔ اس فن میں وہ اس قدر آگے ہیں کہ کہیں کہیں ان کے فقرے قولِ محال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔۔۔۔ ان کے فن کے معاون ان کی تیز فہمی، گمبھیر ذہنیت اور بلا خیز ادراک ہیں وہ جب بھی کہیں کچھ محسوس کرتے ہیں اپنے احساس کو ایک فقرے کی صورت دے دیتے ہیں''۔ ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رشید احمد نے طنز و مزاح کے دیگر حربوں کے ساتھ ساتھ تحریف parody سے بھی کام لیا ہے لیکن ان کی دیگر تحریروں کی مانند خطوط میں اس کی چند ہی مثالیں ہیں:

''اڑتی سی ایک خبر ہے زبانی پٹھان کے۔''

(رقعات رشید صدیقی ص ۱۸۷)

''ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ پٹا کرتے تھے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۵۵)

''چپکا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۲۱۰)

''بلغمی ہے پیراہن ہر پیکر تصویر کا''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۴۸)

کہیں کہیں انھوں نے تحریف کے ساتھ تصرف سے بھی کام لیا ہے مسعود حسین خان کو لکھتے ہیں:

''رات دن گردش میں آسمان ہی نہیں مسلمان بھی ہیں۔''

(رقعات رشید صدیقی ص ۱۱۶)

طارق سعید، رشید احمد صدیقی کے ہاں طنز و مزاح کے عناصر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رشید احمد کے ہاں واقعاتی مزاح ہی بے حد کم ہے تو لطیفوں کا کیا تذکرہ۔ پھر بھی ان کی جملہ تصانیف میں دو ایک لطیفے ضرور مل جائیں گے۔ ان کی ظرافت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے اس پر بھی نظر رکھنی ہوگی۔'' ۱۲

رشید احمد صدیقی کے خطوط نے کئی مقامات پر لطیفے بھی ملتے ہیں جو انھوں نے عام طور پر اپنا مدعا اور مقصد کو واضح کرنے کے لیے شامل کیے ہیں۔ اُن کے یہ لطائف بھی ان کی شخصیت اور اسلوب کی مانند متین اور سلجھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ''تبسم آفرین'' لطائف بیان کیے ہیں۔ جس میں اپنے جذبات کی تسکین اور مسرت حاصل کرنے کے علاوہ دوسروں کی ذہانت پر ہنسنے اور ہنسانے کی تحریک بھی ہے۔ عموماً اس کا استعمال بذلہ سنجی، خوش مذاقی، رمز، طباعی یا کسی تلمیح کے پردے میں ہوتا ہے۔ ۱۳

رشید احمد لطیفے کا استعمال یا تو کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کرتے ہیں یا محض تفنن طبع کے لیے۔ آل احمد سرور کے نام ایک کارڈ عطر حنا لگا کر بھجواتے ہوئے ۲۹ر نومبر ۱۹۴۷ء کے خط میں یوں تمہید باندھتے ہیں:

''منی کا ایک لطیفہ سنیے! جب یہ بہت چھوٹی تھی اور آپا جان ہمارے ہاں رہتی تھیں تو ایک دن وہ مٹھائی کا چھوٹا سا ٹکڑا آپا جان کے پاس لائی کہ اسے کھا لیجیے۔ آپا جان نے منی کو گلے لگا لیا اور اس کی محبت کی داد دی تو منی نے کہا کہ میں نے اسے نہیں کھایا اس لیے کہ یہ زمین پر گر گیا تھا!''

(رشید احمد صدیقی کے خطوط ص ۸۰)

مسعود حسین خان کو لکھتے ہیں:

....برنارڈ شا کا مشہور لطیفہ بھی غالباً یاد ہوگا۔ اپنے عہد کی کسی مشہور ترین حسینہ نے شا سے فرمائش کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ مجھ سے شادی کرلو۔ اولاد میری طرح حسین اور تمہاری جیسی ذہین ہوگی اور یہ کتنا اچھا ہوگا۔شا نے جواب دیا یہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تمہاری جیسی احمق اور میری جیسی ہونق ہوئی تو؟''

(رقعات رشید صدیقی ۱۱۰)

آل احمد سرور کے نام ۲۲،۲۳/اکتوبر ۱۹۴۷ء کے خطوط میں اپنامدّعا واضح کرنے کے لیے ایک لطیفہ درج کرتے ہیں:

''ایک خان صاحب فاقے سے مجبور ہوکر بھیک مانگنے گھر سے نکلے۔کچھ دور جاکر واپس آئے ۔بیوی سے کہا ذرا کھونٹی سے تلوار اتار کر دینا۔بیوی نے پوچھا بھیک تو مانگنے نکلے ہو تلوار باندھ کر کیا کروگے تو بولے اور کہیں حجت ہوگئی تو کیا تلوار لینے گھر آؤں گا!'' (خطوط رشید احمد صدیقی ص ۷۸)

رشید احمد کے خطوط میں دو ایک مقامات پر طنز و مزاح کی ایک قسم ''طعنہ''،''چوٹ'' یا ''جلی کٹی'' کی ملتی ہے، لیکن یہاں بھی انھوں نے اپنی مخصوص حد شرافت، اعتدال اور اخلاق سے نیچے اترنا پسند نہیں کیا۔ ایک مرتبہ انھوں نے آل احمد سرور کو لکھنؤ سے ''گلِ داؤدی'' کے کچھ پودے بھیجنے کی فرمائش کی۔جواب میں سرور صاحب نے لکھا ''میں گلرخوں کی یاد سے فرصت ، پالوں، تو پھولوں کی طرف بھی توجہ کروں۔'' رشید احمد نے ان کے جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ۴/نومبر ۱۹۵۴ء کے خط میں لکھا:

''یہ جو پھولوں کے سلسلہ میں ''آپ گلرخوں'' کا ذکر چھیڑتے ہیں تو بڑی ''فرحناک'' جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔اس فرحناک کی ہیئت تحریری اور صوتی دونوں پر غور کیجیے تو میری جھنجھلاہٹ سمجھ میں آجائے گی ،لیکن کچھ بھی ہو اب میں بالکل نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے پھولوں کا انتظام کریں۔میں نے جس خلوص سے اور جس درجہ خالی الذہن ہوکر فرمائش کی تھی آپ کی اس رعایتِ لفظی نے ان کا خون کر ڈالا۔ خدا کرے آپ کا کوئی تنقیدی مقالہ ہو اور حاضرین میں صرف حاذق صاحب سننے والے ہوں۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۷۸)

حاذق صاحب کا ذکر شریف یوں آیا کہ مولانا احسن کی جگہ خالی ہونے پر تقرری کے لیے امیدواروں میں آل احمد سرور اور حاذق صاحب دونوں تھے۔ان میں سے سرور صاحب کا تقرر ہوا۔

رشید احمد نے آل احمد سرور سے کسی کام کے سلسلے میں کہا جو انھوں نے پورا نہ کیا جواب میں ۲۶/جون ۱۹۵۰ء کے خط میں ان پر طنز و چوٹ کا انداز اختیار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''کیا کروں دنیا میں ندامتوں کا بوجھ، آخرت میں گناہوں کا !اور یہ سب آپ کی وجہ سے ۔خدا کرے آپ منسٹر بنائے جائیں اور نکالے جائیں۔اس کے سوا کوئی اور صورت آپ سے انتقام لینے کی نہیں آتی۔نینی تال کی دلکشی اور اپنی کس مپرسی کا تذکرہ کرکے آپ نے میرے نفس کو اتنا خوش کیا کہ مجھے یہاں کے جہنم زار میں نینی تال کا لطف آگیا۔''

(خطوط رشید احمد صدیقی ص ۱۱۵)

رشید احمد صدیقی نے ایک موقعے پر ''طنز و مزاح'' کو بہت مشکل اور نازک فن قرار دیا ہے۔وہ اسے ''سفلی علوم'' سے تشبیہ دیتے ہیں۔جس میں اگر خامی رہ جائے تو دشمن کے بجائے خود عامل اس کا شکار ہو جاتا ہے۔[۲۴] رشید احمد اپنے اس فنِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طنز و مزاح میں ہمیشہ کام یاب رہے ہیں۔ اُن کا یہ فن خواہ غور و فکر کے بعد تخلیق کیے گئے مضامین کی صورت میں ہو، خواہ قلم برداشتہ تحریر کیے گئے خطوط کی شکل میں ہر جگہ اُن کے منفرد اور لطیف انداز و اسلوب کی بہار دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے طنز و مزاح کے حوالے سے سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں:

> ''رشید احمد کے قدم طنز و مزاح کی دو دھاری تلوار پر کبھی نہیں ڈگمگائے۔ ان کے طنز و مزاح کی اعلیٰ سطح قائم رہنے کی وجہ یہی طنز و مزاح کی تہہ میں ایک سنجیدہ اقدار پرست شخصیت کی کار فرمائی ہے۔ اس لیے معقول اور نا معقول ان کے ہاں ایک اہم تقسیم ہے اور وہ خود، معقول طنز و مزاح کے سب سے بڑے نمائندے ہیں۔''۱۵

الغرض رشید احمد صدیقی خطوط میں اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کرنے کے لیے اپنے موثر ترین ہتھیار طنز و مزاح کو استعمال میں لاتے ہیں اور اپنی خلاقانہ حسن کاری سے معاشرے، افراد، اقدار اور تحریکات پر معنی خیز، دلآویز اور دل پذیر تبصرے تحریر کرتے ہیں۔ آپ کا اسلوب منفرد ہے، جس کے اثرات اُردو مزاح نگاری پر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس طرح انھوں نے گویا اُردو خطوط نگاری میں ایک باب رقم کیا ہے۔

حواشی:

۱۔ خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۵۔

۲۔ مضامینِ رشید ص ۲۱۵۔

۳۔ مضمون ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' مشمولہ ''خیابان'' اصناف نثر نمبر مجلّہ اردو جامعہ پشاور ۱۹۹۵ء، ص ۴۰۵۔

۵۔ خنداں ص ۱۷۲۔

۶۔ مفاہیم ص ۶۔

۷۔ مسعود حسین خان کا تعلق قائم گنج سے تھا۔

۸۔ اردو ادب میں طنز و مزاح ص ۱۲۳۔

۹۔ اطرافِ رشید احمد صدیقی ص ۱۵۴۔

۱۰۔ تاثرات و تعصبات ص ۲۷۔

۱۱۔ مضمون ''رشید احمد صدیقی'' مشمولہ مقالاتِ سرسید سے مضامینِ رشید تک مرتبہ فخر الاسلام ص ۱۴۸۔

۱۲۔ اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب ص ۲۴۷۔

۱۳۔ شگفتہ بیانی میری از ڈاکٹر ضیاء الرحمن عاکف ص ۱۶۔

۱۴۔ خطوطِ رشید احمد صدیقی جلد ہفتم ص ۶۔

۱۵۔ ہندوستانی ادب کے معمار رشید احمد صدیقی ص ۳۸۔

فہرست اسنادِ محولہ:

۱۔ اعظمی، فخر الاسلام، (مرتب: ۱۹۸۵ء)، ''مقالاتِ سرسید سے مضامینِ رشید تک''، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ الحسن، شیبہ، (۱۹۸۹ء)، ''مفاہیم''، اظہار سنز، لاہور۔

۳۔ آغا، وزیر، (۱۹۶۶ء)، ''ادب میں طنز و مزاح''، جدید ناشرین، لاہور۔

۴۔ جاوید سلیمان اطہر، (مرتب: ۱۹۸۰ء)، ''مکاتیب رشید''، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد (دکن)۔

۵۔ ایضاً، (۱۹۹۲ء)، ''ہندوستانی ادب کے معمار، رشید احمد صدیقی''، ساہتیہ اکادمی، دوسری اشاعت، دہلی۔

۶۔ حالی، مولانا محمد حسین الطاف، (سن ندارد)، ''یادگارِ غالب''، شیخ مبارک علی، لاہور۔

۷۔ خان، لطیف الزمان۔ ندیم، احمد، (مرتب: ۱۹۸۸ء)، ''خطوط رشید احمد صدیقی''، ادبیات مشرق، کراچی۔

۸۔ خان، لطیف الزماں، ندیم، احمد، (مرتب: ۱۹۹۸ء)، ''خطوط رشید احمد صدیقی''، جلد سوم، میکرن ایجنسی لمیٹڈ۔ ۔۔۔شہر کا نام لکھنا ہے۔

۹۔ ایضاً، (۲۰۰۲ء)، ''خطوطِ رشید احمد صدیقی''، جلد چہارم، جلد ششم، جلد ہفتم، ملتان آرٹ فورم، ملتان۔

۱۰۔ خان، مسعود حسین، (مرتب: ۱۹۸۸ء)، ''رقعاتِ رشید''، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

۱۱۔ سرور، آل احمد، (مرتب: ۱۹۹۶ء)، ''رشید احمد صدیقی کے خطوط''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔

۱۲۔ سعید، طارق، (۱۹۹۶ء)، ''اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔

۱۳۔ صدیقی، رشید احمد، (۱۳۵۰ ہجری)، ''خنداں''، مکتبہ جامعہ، دہلی۔

۱۴۔ ایضاً، (۱۹۶۶ء)، ''طنزیات و مضحکات''، آئینہ ادب، لاہور۔

۱۵۔ ایضاً، (۱۹۹۰ء)، ''مضامینِ رشید''، الفیصل، لاہور۔

۱۶۔ صدیقی، نظیر، (۱۹۶۲ء)، تاثرات و تعصبات''، پاک کتاب گھر، ڈھاکا۔

۱۷۔ ماکف، رضا الرحمٰن، (۲۰۰۶ء)، ''شگفتہ بیانی میری''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی۔

۱۸۔ عبدالقادر، (۱۹۸۶ء)، ''حنائے علی گڑھ''، سالار پبلی کیشنز، بنگلور۔

۱۹۔ کلوروی، صابر، (۱۹۹۵ء)، ''اردو ادب میں طنز و مزاح''، مشمولہ: خیابان، اصنافِ نثر نمبر، شعبۂ اُردو، جامعۂ پشاور۔

۲۰۔ نظامی، خلیق احمد، (۱۹۷۸ء)، ''مکاتیبِ رشید احمد صدیقی''، ادارۂ ادبیات، دہلی۔

© rasailojaraid.com